ماہیے

مائل خیرآبادی

بیٹی کی یاد

ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا۔

"جب تم مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت کی کوئی بات تمہیں یاد ہے؟"

"ہاں یاد ہے یارسول اللہ! اور اب وہ بات مجھے آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے۔"

"وہ کیا بات ہے؟ بتاؤ، اللہ تم کو معاف کرے۔"

"یا رسول اللہ! بات یہ ہے کہ میرے گھر میں میری گیارہ بچّیاں پیدا ہوئیں۔ ہم لوگ گھر میں لڑکیاں پیدا ہونا بڑا بُرا سمجھتے تھے۔ یہ بات تو یارسول اللہ آپ نے بتائی کہ بچیاں پیدا ہونا خدا کی رحمت ہے۔ جب سے یہ بات سنی کہ جس کے دو تین بچیاں ہوں اور وہ انھیں اچھی دین کی باتیں بتادے اور اچھے گھرانے میں بیاہ دے تو وہ آدمی جنّتی ہے۔ تو اس وقت سے مجھے اپنی وہ بچیاں بار بار یاد آتی ہیں۔

"تو پھر ان گیارہ بچیوں کا کیا ہوا؟"

"یارسول اللہ! آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف کردے۔

اب تو کہتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور کلیجہ منھ کو آتا ہے۔''

''اللہ تم کو معاف کرے، بتاؤ کیا بات ہے؟''

'میں نے ان سب کو زندہ دفن کر دیا یا رسول اللہ! آہ۔ جب میں کافر تھا اس وقت یہ ظلم کیا میں نے۔ کیا اچھا ہوتا کہ میری کچھ بچیاں ہوتیں، میں انھیں دین کی باتیں بتاتا۔ اچھے اور نیک آدمی سے بیاہ کر دیتا اور جنت کا حق دار بن جاتا۔''

''اور تم کو رحم نہ آیا کسی پر؟''

''یا رسول اللہ! کبھی رحم نہیں آیا کسی پر۔ ہاں آخری بچی پر ذرا رسا رحم آیا تھا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ سب مجھے یاد ہے۔ یہ آخری بچی جب میرے یہاں پیدا ہوئی تو اس وقت میں گھر نہیں تھا۔ سفر میں تھا، پھر کچھ ایسا ہوا کہ سفر میں مجھ کو سات آٹھ برس ہو گئے۔ جب میں گھر آیا تو دیکھا کہ میرے گھر میں نہایت خوبصورت ایک بچی کھیل رہی ہے۔ میں نے بیوی سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بیوی نے بتایا کہ پڑوسن کی بچی ہے۔ میں نے اس سے مانگ لیا ہے۔''

''اچھا تو تمہاری بیوی نے جھوٹ بول دیا۔''

''جی ہاں! اس ڈر سے کہ کہیں اسے بھی دفن نہ کر دیا جائے۔''

''تو پھر تم کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بچی تمہاری تھی؟''

''یہ بات کچھ دنوں کے بعد معلوم ہو سکی۔ وہ بچی بڑی نیک تھی۔ مجھ سے بڑی محبت کرتی۔ میرے پاؤں دابا کرتی۔ میرے لئے پانی بھرتی۔ پنکھا جھلتی، مجھے نہلاتی۔ میرے سب کام کر دیتی۔ اور وہ بڑی سیدھی اور سچی بچی تھی۔ اس کی ان باتوں سے مجھ کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔ اس کے بغیر گھر میں میرا جی نہ لگتا۔ میں جب باہر سے آتا تو اس کے لئے کوئی اچھی چیز لاتا۔ اپنے ہاتھ سے کھلاتا۔ میری یہ محبت دیکھ کر بیوی نے ایک دن بتایا کہ یہ تمہاری اپنی لڑکی ہے۔''

''اچھا تو اب اس نے بتایا۔''

''جی ہاں! اس کا خیال تھا کہ اب محبت ہو گئی ہے۔ اس لئے زندہ رکھیں گے۔ مگر کیا بتاؤں یا رسول اللہ! جس وقت میں نے یہ سنا تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا مجھ پر۔''

''آخر بات کیا تھی جو تم لوگ لڑکیوں کو ناپسند کرتے تھے؟''

''بات یہ تھی کہ لڑکیاں نہ تو کما کر ہمیں کچھ دے سکتیں۔ نہ لڑائی میں ہمارے ساتھ مل کر تلوار چلا سکتیں۔ پھر ان کا بیاہ کرنا پڑتا تھا۔ جس سے بیاہ کرتے اس سے عمر بھر کے لئے دبنا پڑتا۔ ہم لوگ اپنے کو خُسر کہلاتے شرماتے تھے۔ بڑی بے وقوفی میں پھنسے تھے ہم لوگ۔''

''سچ کہتے ہو اللہ تم کو معاف کرے۔ پھر کیا ہوا؟''

''پھر یہ ہوا کہ ایک دن اس لڑکی کو ساتھ لیا۔ راستے میں وہ مجھ سے بڑی پیاری پیاری باتیں کر رہی تھی۔ میں اسے لئے جنگل میں پہنچا۔ اور ایک گڈھا کھودنے لگا۔ بچی نے پوچھا کہ ابی! یہ گڈھا کیوں کھود رہے ہیں آپ؟ لیکن میں نے اسے کچھ نہ بتایا۔ گڈھا کھودتا رہا۔ بچی گڈھے کے کنارے کھڑی دیکھتی رہی۔ جب میرے بدن پر مٹی پڑ جاتی تو وہ جھاڑ دیتی اور کہتی کہ ابی! آپ مت کھودیئے گڈھا۔ لائیے میں کھودوں۔ آپ کے اوپر مٹی پڑ رہی ہے ابی!

''یارسول اللہ! اس کی ان باتوں کو سنا تو مجھے کچھ ترس آیا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں آپؐ سے۔ کافر آدمی بڑا اکّڑ ہوتا ہے۔ اللہ اس کے دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ آخرت میں حساب کتاب کا کھٹکا ہو تو اللہ سے ڈرے۔ دوزخ سے خوف کھائے۔ میں یہ عقیدہ مانتا ہی نہ تھا۔ بس گھر میں، پاس پڑوس اور کنبے والوں میں جو رسم تھی۔ وہ ہی میرا دین وایمان تھا۔''

''اچھا پھر کیسے اس بھولی بچی کو گڈھے میں دفن کیا۔''

''کیسے کیا بتاؤں۔ ایک بار پھر اس نے کہا۔ ابی! اب آپ ہٹ جائیے۔ آپ تھک گئے۔ لائیے میں کھودوں۔ تو میں نے اس سے کہا اچھا آ۔ اور میں گڈھے سے باہر آ گیا۔ بچی گڈھے میں کودی۔ اوپر سے میں نے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ جلدی جلدی۔''

''اور وہ روئی پیٹی نہیں؟''

''یارسول اللہ! بس اب کچھ نہ پوچھئے۔ اب تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میری وہ پیاری بچی بار بار کہتی۔

''یہ کیا کر رہے ہو ابی! دیکھو تو میں دبی جا رہی ہوں۔ ابی میں اس میں گھٹ کر مر جاؤں گی۔ پھر آپ کو کہاں پاؤں گی۔ ابی! آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

وہ یہی کہتی رہی اور میں نے اُسے گڈھے میں دبا دیا۔ اوپر سے ڈھیروں مٹی ڈال دی اور چلا آیا۔ آہ! اب میرے کوئی بچی نہیں۔ اب میں کیسے جنت حاصل کروں۔ یارسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ کیسے اچھے ہیں یارسول اللہ! اور اسلام کیسا اچھا دین ہے، جس نے بھولی بھالی اور مجبور بچیوں پر ترس کھانا سکھایا۔ یارسول اللہ! کیا آپ میرے لئے دعا کریں گے؟''

اللہ تم کو معاف کرے۔ جاؤ اپنے اللہ کے آگے گڑگڑاؤ۔ عورتوں اور لڑکیوں کو ان کا حق دو، اُن کے چہروں پر تھپڑ نہ مارو، ان کی حفاظت کرو۔ اگر وہ دن میں ستّر بار غلطی کریں تو معاف کردو۔''

☆☆☆

بھولا بچّہ

ایک بار میں بالک رام صاحب کے ساتھ اپنے ایک مسلمان دوست حیات احمد صاحب کے مکان پر گیا۔ میں بہت دنوں کے بعد حیات صاحب سے ملنے گیا تھا۔ حیات صاحب نے ہم دونوں کو دیکھا تو محبت سے گلے لگالیا۔ دوپہر کا کھانا ہم نے حیات صاحب کے یہاں کھایا۔ کھانا کھا کر ہم سب وہیں پلنگوں پر لیٹ گئے۔ اور پھر باتیں کرنے لگے۔

ایک بجے حیات صاحب ظہر کی نماز کے لئے چل دیئے۔ ان کے دو بڑے بچے بھی ان کے ساتھ مسجد کو گئے۔ چار برس کا ایک بچہ گھر رہ گیا۔ یہ بار بار کمرے میں جھانکتا اور گھر میں چلا جاتا۔ ہم نے اُسے بار بار جھانکتے دیکھا تو پاس بلالیا۔ پوچھا۔ بیٹے! تم بار بار کیوں جھانک رہے ہو؟ اس نے کہا:

''چاچا آپ نماز پڑھنے نہیں گئے؟''

''بیٹا ہم تو ہندو ہیں۔''

بچے نے ہمارا جواب سنا۔ لیکن اس کے چہرے بُشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے کئی بار ہم سے یہی سوال کیا۔

''چاچا! آپ نماز کو نہیں گئے؟'' اور ہم نے یہی جواب دیا کہ:

''بیٹا! ہم تو ہندو ہیں۔'' بچہ ہمارے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ وہ تعجب میں رہا اور ہم اس کی بات پر مزے لے لے کر مسکراتے رہے۔

جب حیات صاحب نماز پڑھ کر آئے تو بچے نے ان سے بھی یہی سوال کیا:

''ابّا جان! چاچا جی نماز پڑھنے نہیں گئے؟'' حیات صاحب نے بھی یہی جواب دیا۔ ''بیٹا! وہ تو ہندو ہیں۔'' اب بچہ جھنجھلا گیا۔ بولا۔ ''ہندو ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ میاں جو ناراض ہوں گے!''

یہ سن کر ہم سب چپ ہو گئے۔ کوئی کچھ نہ بولا۔ بچہ اپنے سوال کا جواب نہ پا کر گھر میں چلا گیا۔ پھر میں بالک رام صاحب کے ساتھ اپنے گھر چلا آیا۔ اس بات کو آج تین چار برس ہو گئے۔ لیکن میں بھولا نہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی سوچتا ہوں کہ بچہ ٹھیک تو کہتا تھا۔ اللہ میاں یا ایشور کی عبادت تو سب کو کرنا چاہیے۔ بچے کی نظر میں ہم بھی انسان ہی تھے۔ بے چارہ بھولا بچہ سوچتا ہوگا کہ مسلمانوں کی طرح ''چاچا جی'' کے بھی ہاتھ، پیر، ناک، کان وغیرہ ہیں تو پھر مسلمانوں کی طرح یہ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔

کبھی کبھی بچوں کی بات کا دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ ان کی بات پھر بھولتی ہی نہیں۔

☆☆☆

ماں کی محبت

''چچا میاں! میں بتاؤں؟''

''اچھا تم ہی بتاؤ۔''

''امّی جان کو!''

''شاباش! بالکل ٹھیک ہے۔ اچھا بیٹی! یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے جانا کہ ماں کو اپنی اولاد سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے؟''

''چچا میاں! ہماری امّی جان جو ہیں نا! تو ایک دن وہ بہت بھوکی تھیں۔ میں بھی بھوکی تھی، منّی بھی بھوکی تھی۔ ابا جان نے بہت دنوں سے خرچ نہیں بھیجا تھا۔ تو نہ آٹا تھا نہ دال۔ میں بار بار امی جان سے کہتی۔ ''امی جان! بھوک لگی ہے۔'' اور منّی رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ وہ تو کسی طرح چپتی ہی نہ تھی۔ میں نے امی جان کو پریشان نہیں کیا۔ منّی نے بھوک کے مارے پریشان کر ڈالا۔ امی جان بڑی سوچ میں تھیں۔ دوپہر ہو گئی، اب تو میرا جی بھی رونے کو چاہنے لگا۔ لیکن چچا میاں! سنئے تو میں روئی نہیں، میں بھی تو منّی کو بہلاتی رہی۔

میرے پاس تو منّی رُکتی ہی نہ تھی۔ وہ مجھے پیٹتی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد امی جان نے نماز پڑھی۔ آج وہ نماز میں رونے لگیں۔ منّی جو رو رہی تھی نا! اسی لئے تو امی روئیں۔ اچھا تو نماز پڑھ کر امی جان کو کچھ یاد آیا۔ وہ جلدی جلدی کوٹھری میں گئیں۔ نکلیں تو کٹوری میں اتنے چنے تھے، چچا میاں اتنے۔ اتنے کہ میرے دونوں ہاتھوں میں آ جاتے۔ امی جان نے جلدی سے آگ جلائی۔ چنے اُبالے، پھر گرم گرم مجھے دیئے۔ منّی کو دیئے۔ منّی سب چنوں کے لئے ضد کرنے لگی تو امی جان نے تھوڑے سے چھپا کر مجھے دے دیئے۔ باقی اس کے آگے رکھ دیئے۔ اب وہ کھانے لگی۔ امی جان نے چاہا کہ خود بھی کھائیں تو مچل گئی۔ پھینک دیئے اس نے چنے۔ امی جان نے پھر وہ چنے کٹوری میں رکھ دیئے۔ اور کہا۔ ''اچھا لے کھا لے۔ میں نہیں کھاؤں گی۔'' اب منی نے کھائے۔ امی جان دن بھر بھوکی رہیں۔ اس سے میں نے جانا کہ امی جان کو اپنی جان سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ ہے نا ٹھیک چچا میاں؟''

''بالکل ٹھیک ہے تمہاری اس بات پر مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ کہو تو سناؤں۔''

''کیا آپ کو کوئی کہانی یاد آ گئی۔''

’’کہانی سے اچھی بات۔ کہانیاں تو زیادہ تر جھوٹ ہوا کرتی ہیں۔ وہ بالکل سچی ہے۔‘‘

’’اچھا تو سنائیے۔‘‘

’’اچھا تو سنو۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ حضرت عائشہؓ جو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔ اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہماری مائیں ہوئیں۔‘‘

’’ہاں ہاں۔ یہ بات تو آپ نے وہ جمعہ چھوڑ اس جمعہ کو بتائی تھی۔ آپ نے کچھ کہا تھا۔ پھر کہا۔ ’’مسلمانوں کی ماں۔‘‘

’’میں نے اُم المؤمنین کہا تھا۔‘‘

’’ہاں ہاں۔ یہی۔‘‘

’’اُم المؤمنین کے معنیٰ ہی تو ہیں مسلمانوں کی ماں۔ تو اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ماں کا واقعہ سنایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ وہ مجھ سے کچھ مانگنے آئی تھی۔ وہ بہت بھوکی تھی۔ اس کی بچیاں بھی بھوکی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت میرے گھر میں ایک کھجور کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی کھجور اس عورت کو دے دی۔ اس عورت نے کھجور لی۔ اس کے دو حصے کئے۔ ایک ٹکڑا

ایک بچی کو۔ دوسرا دوسری بچی کو دے دیا اور اپنے آپ کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد وہ اٹھی اور چلی گئی۔"

"بڑی اچھی تھی وہ بھی۔ تھی نا اچھی چچا میاں!"

"بیشک، بیشک۔ بیٹی سبھی مائیں ایسی ہوتی ہیں۔"

"پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت سے بہت خوش ہوئے ہوں گے۔"

"بہت بہت خوش! آپؐ نے اسے دعا دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ اس طرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسے بچیاں دے، اور وہ ان بچیوں کو اچھی طرح رکھے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کو جہنم سے بچا لے گا۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بات یعنی وہ حدیث تو لفظ لفظ مجھے یاد نہیں مگر اس کا مطلب یہی ہے۔"

"کیسے اچھے تھے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو پھر ہماری امی جان کو بھی اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے بچائے گا۔"

"ہاں بیٹی۔ امید تو یہی ہے۔"

"اے اللہ! تیرا شکر ہے۔ ہم کو اور ہماری امی کو جہنم سے بچا لینا۔"

"آمین!"

☆☆☆

تیس ہزار اشرفیاں

ایک تھے امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے والد کا نام فروخ تھا۔ بنی امیّہ کی بادشاہی کے زمانے میں وہ فوج میں نوکر تھے۔ بادشاہی حکم سے وہ بہت سی لڑائیوں پر بھیجے گئے۔ اس وقت امام ربیعؒ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ فروخ کو ستائیس برس اس سفر میں لگ گئے۔ ربیعؒ پیچھے ہی پیدا ہوئے اور پیچھے ہی اتنے بڑے عالم ہوئے۔ چلتے وقت ان کے والد نے اپنی بی بی کو تیس ہزار اشرفیاں دی تھیں۔ اس عالی ہمّت بی بی نے سب اشرفیاں ان کے پڑھانے لکھانے میں (دین سکھانے) پر خرچ کر دیں۔ جب ان کے والد ستّائیس برس پیچھے لوٹ کر آئے تو بی بی سے اشرفیوں کو پوچھا۔ انھوں نے کہا۔ ''سب حفاظت سے رکھی ہیں۔'' اس عرصہ میں حضرت ربیعؒ مسجد میں جا کر حدیث سنانے میں مشغول ہو گئے۔ (لگ گئے) فروخ نے یہ تماشا

اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میرا بیٹا ایک جہان (دنیا بھر) کا پیشوا (دین کا راستہ بتانے والا) ہو رہا ہے تو خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ جب گھر لوٹ کر آئے تو بی بی نے پوچھا۔ ''بتاؤ تیس ہزار اشرفیاں زیادہ اچھی ہیں یا یہ نعمت؟'' وہ بولے۔ ''اشرفیوں کی کیا حقیقت ہے۔'' اب بی بی نے بتایا کہ میں نے وہ اشرفیاں اس نعمت کے حاصل کرنے پر خرچ کر دیں۔'' انھوں نے خوش ہو کر کہا۔ ''خدا کی قسم! تو نے اشرفیاں ضائع نہیں کیں۔ بلکہ سب سے اچھے کام میں لگا دیں۔''

☆☆☆

امّی جان کی نصیحت

حضرت سید احمد شہیدؒ ہمارے ملک کے ایک بہت مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی امی جان نے آپ کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔ چنانچہ آپ بچپن ہی سے بہت نیک، بہادر، نڈر تھے۔ اسلام سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ دین کی بات اونچی کرنے کے لئے آپ جی جان سے تیار رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ آپ ابھی چھوٹے سے تھے کہ اللہ کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا موقع آ گیا۔ آپ جانے کے لئے بے چین ہو گئے۔ مگر امی جان سے پوچھنا ضروری تھا۔ اجازت لینے اپنی امی جان کے پاس گئے۔ امی جان نماز پڑھ رہی تھیں۔ ملازمہ کو معلوم ہوا تو یہ سوچ کر کہ کہیں بیٹے کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اس نے آپ کو روک دیا۔ امی جان نماز سے

فارغ ہوئیں تو پتہ چلا کہ ملازمہ نے اجازت نہیں دی۔ امی جان کو بہت بُرا لگا۔ ملازمہ سے کہا:

''بڑی بی! میرا بیٹا تمہیں اتنا پیارا نہیں جتنا مجھے پیارا ہے۔''

پھر بیٹے سے کہا:

''بیٹا جاؤ! مگر دیکھو بزدلی مت دکھانا۔ خوب بہادری سے لڑنا۔ اگر منہ پھیر کر بھاگے تو میں تمہاری صورت نہ دیکھوں گی۔''

امی جان کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ بعد میں آپؓ نے بہت بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ اللہ کا حکم بلند کرنے کی اَن تھک کوشش کی اور پیٹھ دکھانے کا تو سوال ہی نہیں۔ آخر میں اللہ کی راہ میں جان تک دے دی۔

دیکھا تم نے امی جان کی کوششوں کا نتیجہ۔ ان کی آخرت بھی سنور گئی۔ اور آج ہم تم ان کے کارنامے یاد کرتے اور نہایت عزت سے ان کا نام لیتے ہیں۔

☆☆☆

شریف بی بی

مسلم یونیورسٹی (علی گڈھ) کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے یہاں کے کوئی صاحب وہاں پڑھ بھی چکے ہوں۔ یہ ہماری بہت مشہور درسگاہ ہے۔ اس کے قائم کرنے والے اور کرتا دھرتا ہمارے ایک بزرگ سر سیّد احمد خاں مرحوم تھے۔ آپ دہلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی امی جان بہت ہی نیک اور شریف بی بی تھیں۔ اپنے بیٹے کی انھوں نے بڑے اچھے ڈھنگ سے تربیت کی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سر سید ابھی بچے تھے کہ کسی بات پر خفا ہو کر ملازم کو پیٹ دیا۔ امی جان کو معلوم ہوا تو وہ بہت بگڑیں۔ اور سر سید کو گھر سے نکال دیا۔ مارے ڈر کے وہ خالہ جان کے یہاں جا چھپے اور گھر جانے کی ہمت نہ کی۔ تین دن بعد قصور معاف کرانے کے لئے خالہ جان کی سفارش لے کر آئے۔ امی

جان نے کہا۔ ''جب تک ہاتھ جوڑ کر یہ نوکر سے معافی نہ مانگ لے گا۔ میں ہرگز نہ معاف کروں گی اور نہ گھر میں رہنے دوں گی۔''

آخر سرسید نے نوکر سے معافی مانگی۔ جب جا کر امی جان نے معاف کیا۔

ان کی امی جان ملازموں کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ایک بار وہ بیمار پڑیں۔ اتفاق سے جو مرض انھیں تھا وہی ان کی ملازمہ کو بھی ہو گیا۔ امی جان نے اپنے لئے دوا منگوائی تھی۔ دوا بہت قیمتی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ ملازمہ بے چاری غریب ہے، اتنا قیمتی علاج کیسے کرائے گی؟ چنانچہ خود کھانے کے بجائے ساری دوا ملازمہ کو کھلا دی۔ اللہ کا کرنا ملازمہ بھی اچھی ہو گئی اور بغیر دوا کے وہ بھی تندرست ہو گئیں۔

امی جان کی انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ سرسید نے زندگی بھر کسی ملازم پر سختی نہیں کی۔ بلکہ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہتے تھے۔

☆☆☆

پاک کمائی

علاّمہ اقبالؔ کی تو کئی نظمیں تم پڑھ چکے ہو گے۔ ممکن ہے کہ کچھ شعر زبانی بھی یاد ہوں۔ آپ ہمارے ایک بہت ہی اچھے شاعر گذرے ہیں۔ آپ کی شاعری میں بڑا اثر تھا۔ اللہ کے رسولؐ سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ وہ سب کا بھلا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے آپ کے دل میں بہت زیادہ درد تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو سر بلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی کے لئے وہ ہمیشہ سوچا کرتے تھے۔ اور اچھی اچھی نظمیں لکھ کر دلوں کو گرماتے رہتے تھے۔ ان کی نظمیں پڑھنے سے اچھا بننے اور اسلام کا بول بالا کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

علاّمہ اقبالؔ کے اندر یہ خوبی ماں کی اچھی تربیت ہی سے پیدا ہوئی تھی۔ اُن کی امی جان بہت پاک باز عورت تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کو سب سے بڑھ چڑھ کر دیکھنا چاہتی تھیں۔ ایسا تو سب کی مائیں چاہتی ہیں۔ لیکن علاّمہ اقبالؔ کی امی جان نے شروع ہی سے اس کی پوری کوشش کی۔"

علاّمہ اقبالؔ کے ابا میاں کی کمائی کچھ مشتبہ تھی۔ اُن کی امی جان اس کمائی کو پورے طور پر حلال نہیں سمجھتی تھیں۔ اس لئے اپنے میاں سے اس کاروبار کو چھوڑ کر کوئی دوسرا حلال کاروبار کرنے کے لئے برابر کہتی رہتی تھیں۔ لیکن ابھی کوئی دوسرا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ کہ علاّمہ اقبالؔ پیدا ہو گئے۔ اب اُن کو دودھ پلانے کا سوال تھا۔ امی جان کو یہ کسی طرح پسند نہیں تھا کہ بچے کو اپنا دودھ پلا کر ایسی روزی سے پالیں جو ان کے نزدیک پورے طور پر پاک نہ تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ ایسی روزی سے پل کر بچے میں وہ خوبیاں کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں، جو وہ اپنے بیٹے میں دیکھنا چاہتی تھیں۔''

اب کیا کریں۔ آخر ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ انھوں نے اپنا زیور بیچ دیا۔ جو اُن کے نزدیک حلال کمائی کا تھا۔ پھر اس روپئے سے ایک بکری خریدی۔ اور علاّمہ اقبالؔ کو اسی کا دودھ پلانے لگیں۔ آخر ابا نے چند مہینوں کی دوڑ دھوپ کے بعد دوسرا کاروبار کر لیا۔ جب جا کر اپنا دودھ پلانے لگیں۔

امی جان کی اس احتیاط کا اثر تھا کہ ان کی گود میں پلنے والا بچہ اتنا دردمند دل رکھنے والا ہوا۔ اس کی شاعری کا دلوں پر اتنا اچھا اثر پڑتا ہے۔

☆☆☆

کس طرح؟

ایک بار پانچویں کا امتحان ہوا۔ امتحان لینے والی انسپکٹرس تھیں۔ وہ ایک دن کمرے میں آئیں۔ ایک پرچہ دکھا کر پوچھا کہ یہ کس لڑکی نے حل کیا ہے؟ میری عمر اس وقت مشکل سے آٹھ برس کی تھی۔ پرچہ میرا تھا۔ میں پاس چلی گئی۔ وہ دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔ اور خوش بھی اور ایک بار پھر پوچھا۔ ''یہ تمہاری لکھائی ہے یہ سب تم نے لکھا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''ہاں پرچہ میرا ہے۔'' انھوں نے پھر پوچھا۔ ''جو اتنی عمدہ مثال دی ہے وہ کہاں سے پڑھی؟'' میں نے جواب دیا کہ ایسی کہانیاں تو ہماری امی جان ہمیں روز سناتی ہیں۔ جس دن انھوں نے یہ کہانی سنائی اور بتایا کہ یہ سچی کہانی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور پوچھا کہ میں اپنی اتنی زیادہ بُری عادتیں کیسے دور کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔ اس نے

ایسا ہی کیا تو اس کی سب بُری عادتیں دور ہو گئیں۔ تو میرے دل پر بہت اثر ہوا تھا۔ وہی سنی ہوئی کہانی میں نے پرچہ میں لکھ دی ہے۔ اس پر انسپکٹر صاحبہ بہت خوش ہوئیں۔ اور ہیڈ ماسٹریس صاحبہ سے کہنے لگیں۔ ’کیا اچھا ہو، سب لڑکیوں کی مائیں ایسی ہی ہوں۔‘‘

اسکول میں لڑکیوں کو جتنا قرآن حفظ کرنے کے لئے دیا جاتا۔ اس کو میں ہمیشہ دوسرے دن آکر سنا دیتی۔ بہت سی لڑکیوں کو حفظ نہ ہوسکتا۔ اور وہ مجھ سے پوچھتیں کہ وہ کون سا جادو ہے جس کے زور سے تم اتنی جلدی قرآن یاد کر لیتی ہو؟ میں جواب دیتی۔ ’’جادو ہمارے گھر میں ہے۔ میری امی جان صبح نامعلوم کس وقت بستر سے اٹھ جاتی ہیں، اور بڑی پیاری آواز میں یہ سب سورتیں پڑھتی رہتی ہیں۔ مجھے ان کی آواز بہت ہی پیاری لگتی ہے۔ میں بستر پر پڑی پڑی سنتی رہتی ہوں۔ جب اسکول میں کہا جاتا ہے کہ فلاں سورت کو یاد کر کے آنا تو گھر جا کر قرآن کھولتی ہوں۔ وہ سورت نکال کر پڑھتی ہوں۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ مجھے پہلے سے یاد ہے۔ دو چار بار پڑھ لیتی ہوں۔ اور یہاں آکر سنا دیتی ہوں۔‘‘ لڑکیاں کہتیں کہ کاش! ہماری امی بھی ایسا ہی کرتیں۔ اور ہمیں قرآن آپ سے آپ یاد ہو جایا کرتا۔

''تمہیں دین سے کس طرح محبت ہوئی ؟''

یہ ایک ایسا سوال ہے جو بار بار مجھ سے کیا گیا۔ اور ہر مرتبہ اس کا ایک ہی جواب رہا کہ ''گھر میں امی جان سے'' انھوں نے اچھی طرح ہر بات اور ہر کام کرتے وقت سمجھا دیا کہ دنیا میں محبت کے لائق اگر کوئی ہے تو وہ اس کا پیدا کرنے والا اور اس کا دین ہے۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ان کو نماز اور قرآن سے بڑا لگاؤ ہے۔ ہوش سنبھالا تو میں نے دیکھا کہ ان کو سب سے زیادہ فکر اس کی ہے کہ اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور جہاں تک بس چلے۔ دوسروں کو بھی سکھائیں۔ ان کو دیکھتی کہ صبح گھر کے بے شمار کاموں کو جلدی کرتیں۔ پھر صحن میں قرآن مجید اور چند کتابیں لے کر بیٹھ جاتیں۔ کچھ ہمسائی عورتیں ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتیں۔ امی جان پڑھ پڑھ کر ان عورتوں کو سناتیں۔ اور ان کو سمجھاتیں اور بتاتیں کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔

ہمارے ابا جان کو خدا کے فضل سے حلال اور حرام کا بہت خیال رہتا تھا۔ آمدنی زیادہ تو نہ تھی۔ لیکن امی جان بہت خیرات کرتی رہتیں۔ پورے محلے کا حال معلوم رہتا کہ کہاں کوئی بیوہ، یتیم بچے یا مسکین آدمی رہتا ہے۔ ہمارے ذریعہ ان کو پیسے، آٹا، دال چاول وغیرہ بھجواتیں اور تاکید کرتیں کہ چھپ کر

دینا کوئی آدمی نہ دیکھے۔

علم کی عمر بھر پیاسی رہیں۔ جب تک چلتی پھرتی رہیں۔ اجتماعات میں شوق سے شرکت کرتی رہیں۔ آخر عمر میں آنکھوں سے کم دکھائی دینے لگا۔ مگر علمی اور دینی شوق تھا کہ کسی طرح تھمتا ہی نہ تھا۔ روزانہ ہم سے قرآن، حدیث، دینی کتابیں اور اخبار وغیرہ سنتیں۔ ایک کتاب ''خطبات'' تو انھوں نے بیسیوں مرتبہ سنیں۔ کلمہ طیبہ کا مطلب فرماتی تھیں کہ روزانہ پڑھ کر سناؤ۔ تاکہ میرے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ لیٹی بیٹھی ہر وقت اللہ کو یاد کرتیں۔ صفائی اور پاکی ناپاکی کا اتنا خیال تھا کہ کیا بتاؤں۔ عمر بھر گھر بار بہت صاف ستھرا رکھا۔ بڑھاپے میں بھی صفائی کا بڑا خیال رکھتیں۔ یہ تھیں میری امی جان۔ جن سے میں نے سب کچھ سیکھا۔

اللہ تعالیٰ امی جان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ آمین

(حمیدہ بیگم)

☆☆☆

رام اور رحیم

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک شہر میں ایک بنیا رہتا تھا۔ نام تھا اس کا رام۔ اس کا ایک پڑوسی تھا اس کا نام تھا رحیم۔ ایک دن بنیا اپنے گھوڑے پر کچھ سامان لے کر چلا۔ اسے بہت دور ایک دوسرے شہر میں جانا تھا۔

ایک گھوڑے پر رام تھا اور دوسرے پر اس کا سامان۔ رام کے پاس بہت زیادہ روپئے تھے۔ اس نے چور ڈاکوؤں کے ڈر سے روپئے قمیض کی اندر والی جیب میں چھپا رکھا تھا۔ راستہ سنسان اور اتنا لمبا سفر اسے اکیلے طے کرنا تھا۔ رام چلا، چلتا رہا۔ راستے میں جنگل آیا، پہاڑ ملے، ندی ملی، لیکن رام چلتا رہا۔

راستے میں ایک پہاڑ ملا۔ پہاڑ میں ایک غار تھا۔ غار میں کچھ ڈاکو

تھے۔ ڈاکو مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ ڈاکوؤں نے رام کو دیکھا۔ اس کے سامان کو دیکھا، دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ لوٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رام اپنے گھوڑے پر بھجن گاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اچانک ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ مارا پیٹا، زخمی کر دیا۔ سامان لوٹ لیا۔ روپئے پیسے بھی چھین لئے۔ رام کو مردہ سمجھ کر راستہ میں ایک طرف ڈال دیا۔ اور اس کے گھوڑے کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ رام بہت دیر تک بے ہوش رہا۔ جب اس کو ہوش آیا تو اس نے خود کو سڑک کے کنارے ایک گڈھے میں پڑا پایا۔ روپیہ پیسہ، مال اسباب سب ڈاکو لے جا چکے تھے۔ وہ بُری طرح زخمی تھا۔ درد سے کراہنے لگا۔ ''آہ، اوہ، اوہ، ہائے رام۔''

بہت دیر تک رام اسی حال میں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شام سے صبح ہو گئی اور وہ یونہی شہر سے دور سنسان راستے پر زخمی پڑا کراہتا رہا۔

آخر ادھر سے ایک پنڈت جی گذرے۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ایک گاؤں جا رہے تھے۔ وہاں ان کو پوجا کرنی تھی۔ وہ جا رہے تھے کہ انھوں نے کراہنے کی آواز سنی۔ کراہنے کی آواز سن کر وہ ٹھٹکے۔ دیکھا تو

ایک آدمی زخمی پڑا ہوا ہے۔ پنڈت جی رام کے پاس گئے۔ پنڈت جی کو دیکھ کر رام نے کہا:

''پنڈت جی! بچائیے۔ بھگوان کے لئے دَیا کیجئے۔''

پنڈت جی نے رام کو دیکھا۔ اس کے زخمی بدن کو دیکھا اور بولے۔ ''رام رام'' انھوں نے دل میں سوچا۔ اگر میں اس روگی کی مدد کروں گا تو پوجا میں دیر ہو جائے گی۔ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایک روگی (مریض) کے لئے کتنے لوگوں کا نقصان ہو گا۔ ''نا نا نا، رام رام۔'' پنڈت جی جانے لگے۔ رام نے گڑگڑا کر کہا۔ ''پنڈت جی میری مدد کیجئے۔ بھگوان کے لئے دَیا کیجئے۔''

لیکن پنڈت جی کا پوجا کا وقت ہو رہا تھا۔ انھوں نے رام کی ایک نہ سنی۔ چپ چاپ چلتے بنے۔ رام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ دیر کے بعد ادھر سے ایک پیر صاحب گذرے۔ پیر صاحب کو ایک مزار پر جانا تھا۔ مزار پر چادر چڑھانا تھی۔ فاتحہ اور نیاز دینا تھی۔ انھوں نے رام کو دیکھا بولے۔ ''اللہ اللہ، اف فوہ۔''

''مولانا صاحب میری مدد کیجئے۔'' رام نے کراہتے ہوئے کہا۔ پیر صاحب نے دل میں کہا۔ اگر میں اس زخمی کی مدد کروں گا تو فاتحہ اور نیاز میں دیر ہو جائے گی۔ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ایک آدمی کے لئے کتنے لوگوں کا نقصان ہوگا۔ میرا رکنا اچھا نہیں ہے۔ پیر صاحب بھی چلتے بنے۔ رام نے گڑگڑا کر کہا:

''مولانا صاحب! دَیا کیجئے۔'' لیکن پیر صاحب رام کی بات کو سنی ان سنی کر کے چلتے بنے۔

رام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اب وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا۔ ابھی رو ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی۔ جو ادھر ہی آرہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ رام کا پڑوسی رحیم ہے۔ رام دل ہی دل میں سوچنے لگا...... ارے یہ بھلا کیا میری مدد کرے گا۔''

رام دل ہی دل میں یہ سوچ کر ناامید ہونے لگا۔ رحیم دوسرے شہر سے اپنی تجارت کا سامان بیچ کر واپس آرہا تھا۔ وہ جب گڈھے کے قریب

سے گذرا تو سڑک کے کنارے اسے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ سڑک کے کنارے گڈھے میں ایک آدمی پڑا کراہ رہا تھا۔ رحیم اس کے پاس گیا تو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ''ارے یہ تو رام پرشاد جی ہیں۔'' رحیم کے منہ سے نکلا۔ اور اس نے اسے کندھے پر اٹھا کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور شہر کی طرف چلا۔ کچھ میل چلنے کے بعد ایک مسافر خانہ ملا۔ رحیم نے رام کو مسافر خانہ میں رکھا اور شہر جا کر ایک حکیم کو بلا لایا۔ حکیم صاحب نے رام کو دیکھا۔ رحیم نے رام کا علاج کروایا اور اس کی دیکھ بھال کی۔

رام اچھا ہو گیا۔ اب اس کے دل میں رحیم کی بڑی عزت تھی۔ نفرت کی جگہ محبت تھی۔ رام اور رحیم ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔

ایک دن دونوں دوست بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ رام نے رحیم سے پوچھا۔

''رحیم بھیّا! میں تو آپ کو بہت خراب آدمی سمجھتا تھا۔ مگر آپ تو بہت

اچھے ہیں۔ رحیم بھیا ایک بات بتایئے۔ پنڈت جی نے اس دن میری مدد نہیں کی۔ پیر صاحب نے بھی مجھ پر دَیا (رحم) نہیں کی۔ لیکن آپ اتنے کٹّر مسلمان ہوتے ہوئے بھی آپ نے میری مدد کیوں کی؟''

یہ سن کر رحیم بولا۔ ''رامو بھیا! یہ صحیح ہے کہ میں کٹّر مسلمان ہوں۔ لیکن کٹّر مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں دوسرے مذہب والوں سے نفرت کروں۔ اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوروں کی مدد کرنا بڑے ثواب کا کام بتایا ہے۔ کسی آدمی کی مصیبت میں کام آنے سے اللہ میاں بہت خوش ہوتے ہیں۔ پھر بھیّا! تم میرے پڑوسی بھی ہو، اور ہمارے مذہب میں پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے پڑوسی کو ستائے وہ مسلمان نہیں ہے۔''

پیارے نبیؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔'' بھیا یہی بات تھی کہ میں نے تمہاری مدد کی تھی۔ اس میں بھلا تعجب کی کیا بات ہے۔ سچا مسلمان تو سب سے ہمدردی کرتا ہے۔

رام نے جب یہ بات سنی تو اسلام اور پیارے نبیؐ کے بارے میں دلچسپی بڑھی۔اس نے رحیم سے کہا:

''بھیّا رحیم! مجھے اپنے نبیؐ صاحب کی اور باتیں بھی بتاؤ۔ نبیؐ صاحب نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ اگر سب لوگ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگیں تو کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ بھیّا! مجھے تو نبی صاحب کی یہ بات اچھی لگی۔'' رحیم دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا بولا:

''ہاں بھیّا! میں تمہیں روز پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نہ کوئی بات بتایا کروں گا۔ بڑی اچھی باتیں بتائیں ہیں ہمارے پیارے نبیؐ نے۔

اس دن کے بعد رام، رحیم سے روزانہ کچھ نہ کچھ پیارے نبیؐ کے بارے میں پوچھتا۔اس کے دل میں اب اسلام سے ذرا بھی نفرت باقی نہیں رہی تھی۔

☆☆☆